سو یاما نے (اوساکا، جاپان)

جاپان میں اقبالیات

علامہ محمد اقبالؔ کے کلام میں ایک قطعہ ہے جس میں جاپان کا ذکر ہوا ہے؛

انتہا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کب تلک
چھتریاں، رومال، مفلر، پیرہن جاپان سے
اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی
آئیں گے غسال کابل سے کفن جاپان سے

اس قطعہ کی کوئی خاص معنویت نہیں اس میں نو آبادیاتی دور کے ہندوستان کی صنعتی پس ماندگی کا طنزیہ انداز میں ذکر ہوا ہے۔ علامہ اقبالؔ بھی اپنے ہم عصر شاعر اکبرالہٰ آبادی کی طرح بعض اوقات اس قسم کی نظمیں کہا کرتے تھے۔ اس قطعہ کے پسِ منظر میں علامہ کو ایشیا کی صورتِ حال اس طرح نظر آ رہی تھی کہ جاپان صنعتی پیداوار کی سطح پر خود کفیل ہونے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کے برعکس ہندوستان میں پیداوار کی کمی کا احساس تھا۔ اس زمانے میں لاہور سے ''پھول'' اور ''تہذیب النسواں'' جیسے ادبی رسالے باقاعدگی سے چھپتے تھے اور یہ رسالے شمالی ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں تک پہنچتے تھے۔ ان رسالوں میں دنیا بھر کے واقعات کے بارے میں آسان و سلیس زبان میں مضامین لکھے جاتے تھے۔ خاص طور پر رسالہ ''پھول'' میں جاپان اور روس کی جنگ کا ذکر بار بار آتا تھا۔ مغربی ممالک کی نو آبادیت

سے محکوم ایشیا کے لوگوں کے لیے جاپان کی خبریں بیداری کا باعث بنتی تھیں۔

علامہ اقبالؔ نے نثر میں بھی جاپان کا ذکر کیا ہے۔ مضمون کا عنوان ''قومی زندگی'' ہے۔ جس میں علامہ اقبالؔ نے جاپان کو ایشیا کے ابھرتے ہوئے ستارے سے تعبیر کیا تھا۔ اب اس ستارے کا کیا حال ہوگا، جس کا مجھے بھی علم نہیں۔

اور اب موجودہ صورتِ حال دیکھیے۔ پاکستان میں جاپان کی کتنی زیادہ صنعتی اشیا نظر آتی ہیں! لیکن پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیوں کہ یہ حال علامہ کے زمانے سے مختلف ہے! یہاں بہت سی جاپانی گاڑیاں نظر آتی ہیں اور بجلی کا سامان بھی، مگر ہمارے یہاں بھی چمچے، کانٹے، اور فٹ بال جیسی چیزیں سب پاکستان سے آتی ہیں اور جاپانی لوگ بہت پسند کرتے ہیں۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ جاپان میں نظر آنے والی ایسی اشیا سب شہر اقبال ہی سے آتی ہیں! گویا علامہ اقبالؔ اپنی قوم کی محنت کشی کے بارے میں دوراندیش تھے!

خیر، اب میں جاپان میں اقبالیات کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ جاپان میں علامہ اقبالؔ کا تعارف کب، کس نے اور کیسے کیا تھا؟ اس سلسلے میں مجھے اس زمانے کا پس منظر پیش کرنا چاہیے کیونکہ اقبالیات کا ذکر اس پس منظر کو سمجھے بغیر ممکن نہیں۔

جیسا کہ میں نے ابھی علامہ کے اشعار کا ذکر کیا تھا، اس زمانے میں یعنی ۱۹۰۰ء سے ۱۹۲۰ء کے لگ بھگ جاپان ایشیا میں ایک ایسے ملک کے طور پر سامنے آیا تھا جس نے روس جیسے مغرب کے ایک بڑے ملک کو شکست دی تھی۔ جاپان اور روس کی جنگ فروری ۱۹۱۴ء سے مئی ۱۹۱۵ء تک جاری رہی تھی اور جاپان جیت گیا تھا۔ حالانکہ جاپان نے صرف ہتھیاروں سے جنگ نہیں جیتی تھی بلکہ اس کی وجہ روس کے اندر پائی جانے والی داخلی بے چینی بھی تھی جس کے نتیجے میں ۱۹۱۷ء میں انقلابِ روس آیا تھا۔ اس لیے جاپان کا جیتنا دراصل اتفاق کی بات بھی تھی مگر اس زمانے میں ایشیا کے لوگوں کی نظر میں مشرق کے ایک چھوٹے سے ملک کا کسی مغربی ملک سے جیتنا ہی کافی تھا اور ایشیا کی نوآبادیوں کی تحریکِ آزادی کے

لیے یہ حوصلہ افزا علامت تھی۔ خاص طور پر ترک اور ایرانی جو روس کے دباؤ میں تھے بہت متاثر ہوئے تھے۔ مگر اس کے برعکس جاپان ''مغرب کی غلامی سے نجات'' کے نعرے کے ساتھ ساتھ دوسرے مغربی ممالک کی طرح خود بھی نوآبادیت کے راستے پر چلتے ہوئے چین، کوریا، انڈونیشیا جیسے ایشیائی ممالک پر قبضہ کرنے لگا تھا۔ اسی طرح ۱۹۱۹ء میں جب افغانستان نے روس کی مدد سے انگریزوں کے خلاف جنگ جیت کر آزادی حاصل کی تھی، تو اس نے برطانوی اور روسی اثرات سے آزاد ہو کر اپنی خودمختاری کے لیے جرمنی اور فرانس کا نظامِ تعلیم اختیار کیا تھا۔ اس منظر نامے میں جاپان اور افغانستان کے درمیان تعلیمی اور تہذیبی سطح پر معاہدہ ہوا تھا۔ افغانستان کے لیے روس سے جیتنے والے ملک کے ساتھ معاہدہ کرنا سیاسی طور پر بھی ایک اہمیت رکھتا تھا۔ جاپان سرکاری اور عوامی دونوں سطحوں پر ایشیا سے طلبہ کو بلانے کی کوشش کرتا تھا۔ اس کا مقصد تو ظاہر تھا کہ جاپان کی طرف داری کرنے والے پڑھے لکھے لوگوں کو تربیت دی جائے۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۲ء کے درمیان جاپان میں تعلیم کے لیے آنے والے طلبہ میں چینی ۱۱۷۶۵، منچورین ۱۱۳۷۴، تھائی ۷۷۰ تھے تو ہندوستان سے ۷۸۴، ترکی سے ۵۴ اور افغانستان سے ۱۴۱ طلبہ آئے تھے۔ افغانستان سے طلبہ کو بلانے کے لیے یہ پانچ مقاصد دیے گئے تھے جن سے اس زمانے کے جاپان کے سیاسی رجحانات واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔ یعنی:

۱۔ جاپان کا نعرہ ''دنیا ایک ہے'' دوسری قوموں کو سمجھایا جائے۔
۲۔ ایشیا میں جاپان کے کردار کو سمجھایا جائے۔
۳۔ ایشیا کے لوگوں کی بیداری اور جاپان کے مقصد کا پورا کرنا۔
۴۔ اشتراکیت کو روکا جائے اور اس سے بچنے کی قوت پیدا کی جائے۔
۵۔ مغرب پر انحصار ختم کیا جائے اور جاپان پسند یا ایشیا پسند جذبے کو آگے بڑھایا جائے ایسے مقصد کی خاطر جاپان نے ایشیا کی طرف فوجیوں کو بھیجنا شروع کیا تھا۔

ان ہی مقاصد کے لیے جاپان نے ہندوستان سے بھی کئی اہم شخصیات کو بلایا تھا۔

ان میں سب سے پہلے پروفیسر برکت اللہ کا نام قابلِ ذکر ہے۔ برکت اللہ ۱۹۰۷ء کے لگ بھگ جاپان آئے تھے اور انھوں نے احیائے اسلام کا نعرہ جاپانی لوگوں کو پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ ان کے ساتھ ترکمنستان کے تاتار سے عبدالرشید ابراہیم ۱۹۰۹ء میں جاپان آئے تھے اور وہ بھی تحریکِ اسلام پر زور دے رہے تھے اسی سال میں جب ابراہیم واپس جا رہے تھے تو ایک جاپانی ان کے ساتھ تھا اور یہ پہلا جاپانی تھا جس نے مسلمان ہو کر حج بھی کیا تھا۔ اس سال مصر سے آنے والے ایک طالبِ علم نے ٹوکیو کی ایک یونیورسٹی میں ۲۰۰۰ جاپانی سامعین کے سامنے اسلام کے بارے میں تقریر کی تھی۔

۱۹۲۵ء میں ''ٹوکیو مسلم ایسوسی ایشن'' قائم ہوئی۔ ۱۹۳۱ء میں ٹوکیو میں مسلمان بچوں کے لیے اسکول بھی قائم ہوا تھا۔ اور ستمبر ۱۹۳۵ء میں اوساکا کے نزدیک ایک بندرگاہ کوبے شہر میں ہندوستانی مسلمان یعنی فیروزالدین نے تعمیر مسجد کے لیے ۸۰ فیصد رقم پیش کر کے جاپان میں پہلی مسجد بنوائی تھی۔ اس تعمیر مسجد میں ترک لوگوں کی محنت بھی تھی۔ تعمیرِ مسجد کے فوراً بعد جب وہاں عید منائی گئی تھی تو ایک تصویر بھی کھینچی گئی۔ اس تصویر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں کوبے میں کم از کم ۱۵۰ مسلمان رہا کرتے تھے۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ تعمیر مسجد کے موقع پر ایک کتابچہ بھی انگریزی میں شائع ہوا تھا۔ جس میں لندن سے سر عبدالقادر کا ارسال کردہ مبارک باد کا پیغام بھی چھپا تھا، اس مضمون کا عنوان "Does Japan need Islam"? تھا کیونکہ سر عبدالقادر کا تعلق علامہ اقبال کے ساتھ بہت قریبی تھا اس لیے ممکن ہے کہ جاپان میں پہلی مسجد کی تعمیر کے بارے میں علامہ تک خبر پہنچی ہو۔ اس کے بعد ۱۹۳۸ء میں ٹوکیو میں بھی مسجد بنی۔ ٹوکیو میں مسجد کی افتتاحی تقریب میں ترکمنستان کے تاتار سے دوسری بار آئے ہوئے ابراہیم نے امام کے فرائض سرانجام دیے تھے۔ اس وقت ابراہیم کی عمر ۹۵ سال کی تھی۔ نومبر ۱۹۳۹ء میں ٹوکیو میں عالمِ اسلام کی نمائش بھی تین ہفتے کے لیے منعقد ہوئی تھی۔

برکت اللہ کی طرح سید راس مسعود بھی اہم شخصیت تھے جو سر سید احمد خان کے پوتے تھے۔ انھوں نے ۱۹۲۰ء کے لگ بھگ جاپان کا دورہ کیا تھا اور اس زمانے کے نظامِ تعلیم سے متاثر ہو کر ۱۹۲۳ء میں ''سفرنامہء جاپان'' تصنیف کر کے بنیادی تعلیم کی اہمیت پر زور دیا تھا۔

ہندوستان میں جب تحریک آزادی کی موجیں ابھر رہی تھیں تو جاپان ایک علامت کے طور پر نظر آ رہا تھا۔ ہندوستان سے تحریک آزادی کے کئی رہنما، مثلاً راس بہاری بوس یا سبھاس چندر بوس جیسے لوگ جاپان میں بلائے گئے تھے اور سنگاپور میں ہندوستان کی انگریز حکومت کے مقابلے میں اپنی الگ حکومت قائم کرنے کے لیے جاپانی فوجیوں کے ساتھ جدوجہد کر رہے تھے۔ جب سنگاپور میں نئی حکومت قائم کرنے کا اعلان ہوا تھا تو اس وقت کے راس بہاری بوس کے اردو مسودے کے آخر میں علامہ اقبال کی نظم ''ہمالہ'' کا مشہور شعر، ''سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا'' دیا گیا تھا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کی نظمیں تحریک آزادی کے رہنماؤں میں کس قدر مقبول تھیں۔

اب ہم برکت اللہ کی طرف واپس آتے ہیں۔ وہ ٹوکیو اسکول آف فارن سٹڈیز میں اردو کے استاد بھی رہے تھے۔ ٹوکیو میں ۱۹۰۸ء میں اور اوساکا میں ۱۹۲۱ء میں شعبہء ہندوستانی بن چکا تھا۔ اسی سال اوساکا اسکول آف فارن سٹڈیز میں ''ہندوستانی ایسوسی ایشن'' قائم ہوئی اور وہاں سے ''سحرِ ہند'' نامی ایک سالنامہ چھپنا شروع ہوا۔ ''ہندوستانی ایسوسی ایشن'' کا نام ۱۹۲۷ء میں ''آریائی ایسوسیایشن'' ہوگیا تھا۔ ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جاپان میں سیاسی سطح پر عالمِ اسلام کے بارے میں کافی سرگرمیاں ہو رہی تھیں۔ علامہ اقبال کا تعارف بھی اسی حوالے سے ہوا تھا۔

۱۹۳۰ء کی دہائی یعنی دوسری جنگ عظیم سے پہلے جاپان میں ایسے کئی ادارے قائم ہوئے جہاں محققین ایشیا کی تہذیب کو انگریزی کے ذریعے نہیں بلکہ ایشیائی ممالک کی زبانوں کو براہِ راست پڑھ کر سمجھنا چاہتے تھے۔ ''ادارہء دنیائے اسلامیہ'' اور ''ادارہ عالمِ اسلامیہ''

بھی ایسے اداروں میں سے تھے۔ آخر الذکر ادارہ ۱۹۳۸ء میں ٹوکیو میں قائم ہوا تھا۔ اور وہاں سے باقاعدہ طور پر رسالہ ''کائیکیو کین Kaikyo-ken ''یعنی'' دنیائے اسلامیہ'' چھپنا شروع ہوا۔ اس میں عربی، فارسی اور اردو سے کئی ترجمہ چھپے تھے ان میں سے سب سے بڑا کام ''قصہ چہار درویش یعنی باغ و بہار'' کا جاپانی ترجمہ ہے جو اس رسالے میں قسطوں کی صورت میں چھپتا تھا اور بعد میں کتابی صورت میں شائع ہوا۔ اس کے مترجم کا نام پروفیسر گاموؔ Prof. GAMO Reiichi تھا جو ٹوکیو یونیورسٹی آف فارن سٹڈیز کے شعبہء ہندوستانی میں اردو اور اسلامیات پڑھاتے تھے۔ یہ ایسا زمانہ تھا جب علامہ اقبال پٹھان کوٹ میں ''ادارہ دار الاسلام'' قائم کرکے اسلام کی تدوینِ جدید کے لیے خدمت انجام دینا چاہ رہے تھے مگر اسی سال کے اپریل میں وہ انتقال کر گئے تھے۔

علامہ اقبالؔ کے انتقال کے چار ماہ بعد، یعنی اگست ۱۹۳۸ء میں رسالہ ''دنیائے اسلامیہ'' چھپا تو اس میں پروفیسر گاموؔ نے ''ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کا انتقال'' کے عنوان سے ایک تعزیتی نوٹ لکھا تھا۔ کیوں کہ رسالے میں نوٹ چھپنے کے لیے مہینہ تو لگ جاتا ہے اور اس زمانے میں تو کچھ اور زیادہ وقت لگ سکتا ہوگا، اس لیے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ علامہ اقبالؔ کے انتقال کی خبر جاپان میں بروقت پہنچی تھی۔ یہ مختصر نوٹ جاپان میں علامہ اقبال پر سب سے پہلا نوٹ معلوم ہوتا ہے۔

جاپان میں علامہ اقبالؔ پر یہ پہلا نوٹ جاپانی اردو دان پروفیسر گاموؔ نے لکھا۔ اس مختصر نوٹ کا ترجمہ کچھ یوں ہے کہ:

''ہندوستان کے مسلمانوں میں سب سے عظیم شخص، جو نہ صرف فلسفی کے طور پر مشہور ہیں بلکہ شاعر کے طور پر بھی، ڈاکٹر محمد اقبالؔ نے گزشتہ ۲۱۔ اپریل کو صوبہ پنج آب کے لاہور شہر میں اپنی شاندار زندگی کو پورا کر لیا۔ ان کے انتقال کی خبر سے نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ باشعور ہندوؤں کو بھی شدید دکھ ہوا تھا۔ محمد اقبالؔ انگلستان اور جرمنی میں تعلیم حاصل کرنے والے اور مشرق و مغرب کی روح کو اپنانے والے ایک عظیم پڑھے لکھے شخص تھے۔ وہ پین

اسلام ازم کا احساس رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک محبِّ وطن شاعر بھی تھے۔ ہندوستانی زبان میں ہندوستان کے مسلمانوں کی اصلاح کرتے تھے اور ایرانی زبان میں سارے مسلمانوں کی روح کے ترجمان بن کر انھوں نے کئی تصانیف لکھی ہیں۔ ان کی اہم تصانیف کے عنوانات یہ ہیں کہ ''بانگِ درا''، ''اسرارِ خودی''، ''رموزِ بے خودی''، ''بالِ جبریل''، ''پیامِ مشرق''، "Six Lectures on the Reconstruction of Religious Thought in Islam" وغیرہ۔ اب ''پیامِ مشرق'' میں سے چند اشعار پیش کرکے ان کے انتقال کے موقع پر غم کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ (آگے ترجمہ)

نوٹ مختصر مگر جامع ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۳۸ء کے جاپان میں علامہ اقبالؔ کو ہندوستان کے رہنما کے ساتھ ساتھ عالمِ اسلامی کے رہنما کی حیثیت دی گئی تھی۔ مگر گاموؔ صاحب نے صوبہ پنجاب کو ''پنج آب'' لکھا ہے، اب معلوم نہیں کہ ان کو علامہ کی خبر کس زبان میں ملی تھی۔

عالمِ اسلام کو سمجھنے کی کوشش جاری تھیں مگر جنگ عظیم کی وجہ سے سب برباد ہوگئیں اور سارے ادارے بھی بند ہو گئے تھے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد، اقبالیات کا ایک نیا پہلو سامنے آتا ہے یعنی سیاسی موضوعات کی جگہ، خالص ادبی موضوع پر تحقیق شروع ہوئی۔ یہ کام اوساکا اور ٹوکیو کے شعبہ ہائے اردو کے اساتذہ کے ذریعے آگے بڑھنے لگا۔ ان اردو دانوں میں سے پروفیسر کاگایا ہیروشی Prof. KAGAYA Hiroshi اقبالیات کے لیے قابلِ ذکر ہیں۔ کاگایا صاحب، پروفیسر گاموؔ کے شاگرد ہیں اور راقم الحروف کے محترم استاد بھی ہیں۔ کاگایا صاحب نے ٹوکیو میں اردو پڑھنے کے بعد، ٹوکیو یونیورسٹی سے دینیات میں ایم اے کیا تھا اور جنگ کے فوراً بعد تہران گئے تھے۔ پھر اوساکا کا یونیورسٹی آف فارن سٹڈیز کے شعبہء اردو کے پروفیسر مقرر ہوئے تھے۔ ان کا موضوع اردو زبان و ادب کے ساتھ ساتھ اسلامیات بھی ہے۔ انھوں نے ۱۹۶۰ء میں، اوساکا یونیورسٹی آف فارن سٹڈیز کے تحقیقی رسالے میں ہند

پاک کے مسلمانوں کے افکار کے بارے میں ایک مقالہ پیش کیا تھا۔

کاگایا صاحب نے اس مقالے میں تحریک آزادی کے مسلم مفکرین کے افکار کا جائزہ لیا۔ اور علامہ اقبال کے حالاتِ زندگی اور ان کے افکار پر نظر ڈالتے ہوئے تصورِ خودی، پین اسلام ازم اور مسلمانوں کی بیداری جیسے اہم موضوعات کا ذکر کیا۔ یہ جاپان میں علامہ اقبال کو مفکر اور شاعر کے طور پر متعارف کرانے والا پہلا مضمون ہے۔ کاگایا صاحب اس کے بعد بھی شاہ ولی اللہ سے لے کر برِ صغیر کے دیگر مسلم مفکرین پر مقالہ جات لکھتے رہے۔ ۱۹۶۵ء میں انہوں نے ''قیامِ پاکستان میں اسلامی افکار کا کردار'' کے عنوان سے مقالہ لکھا تھا اس مقالے میں بھی علامہ اقبال پر مفصل بحث ہوئی ہے۔ اور ان کے اس مقالے سے استفادہ کر کے ٹوکیو یونیورسٹی آف فارن سٹڈیز میں اردو اور فارسی کے پروفیسر کورویاناگی Prof. KUROYANAGI Tsuneo نے ہندوستان کے مسلم مفکرین کے بارے میں جامع مضمون لکھا تھا جو ''مشرقی افکار'' نامی کتاب میں شامل کیا گیا۔ اس میں بھی کاگایا صاحب کے مضمون کی طرح فکری عناصر کا جائزہ لیا گیا ہے۔

اسی زمانے میں اوساکا یونیورسٹی آف فارن سٹڈیز کے پروفیسر ساوا Prof. SAWA Eizoi نے ''بانگِ درا'' میں سے سات نظموں کا جاپانی ترجمہ کیا تھا اور یہ ترجمہ ۱۹۶۲ء میں ایک کتاب ''دنیا کی منتخب مشہور شاعری'' میں شائع ہوا تھا اس میں علامہ کی تصویر اور بانگِ درا کا عکس بھی شامل کیا گیا تھا۔

کاگایا صاحب، ۱۹۷۶ء سے ۱۹۷۷ء تک جاپان فاؤنڈیشن کی طرف سے ایک سال کے لیے پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور میں شعبہء جاپانی تشکیل دینے کے لیے تشریف لائے تھے اور یہاں ایک سال جاپانی زبان پڑھاتے رہے۔ اسی زمانے میں لاہور میں علامہ اقبال کی سو سالہ ولادت کے موقع پر جشنِ اقبال منایا گیا تھا تو اقبالیات پر مختلف محققین کے مضامین کا مجموعہ ''جشن نامہ ء اقبال'' یونیورسٹی اورینٹل کالج سے چھپا۔ کاگایا صاحب نے بھی اپنا مضمون ''علامہ اقبال یک جاپانی کی نظر میں'' لکھ کر دیا تھا۔ اس مضمون

میں ایک دل چسپ واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ۱۹۱۲ء کے لگ بھگ علامہ اقبال کو جاپان بھجوانے کا منصوبہ بن رہا تھا۔ یہ ذکر مولانا عبدالمجید سالک کی تصنیف ''ذکرِ اقبال'' میں ملتا ہے۔ یہ قصہ کچھ اس طرح سے تھا کہ ۱۹۱۲ء میں انجمن حمایتِ اسلام، لاہور کے سالانہ اجلاس میں مولانا ظفر علی خاں نے تقریر کرتے ہوئے یہ رائے دی تھی کہ جاپانیوں کو تبلیغ کے ذریعہ قبول اسلام کی دعوت دی جائے اور اس مقصد کے لیے خدمات اقبال کے سپرد کی جائیں۔ ان کے سفر اور قیام کے مصارف پورے کرنے کے لیے ان کی نظموں کی دس ہزار کاپیاں شائع کر کے فروخت کی جائیں۔ مولانا ظفر علی خاں کا یہ خواب پورا نہ ہوسکا۔ اقبال کے دورہ ء جاپان کی تجویز آگے نہ بڑھ سکی۔ مگر اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جاپان کو اس زمانے کے ہندوستان کے مسلمان ایک دوست ملک سمجھتے تھے اور اسلام کی تبلیغ کے ذریعے مزید قریب لانے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

کاگایا صاحب نے اپنے شاگرد اور دوست پروفیسر ہاماگوچی Prof. HAMAGUCHI Tsuneo کے ساتھ مل کر ۱۹۷۷ء میں ایک کتاب ''تاریخ جنوبي ایشیاء'' کی دوسری جلد یعنی پاکستان اور بنگلا دیش کا حصہ لکھا تھا اور تحریکِ آزادی کے فکری پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے علامہ اقبال کا تعارف کرایا تھا۔

اُدھر ٹوکیو میں گاموصاحب کے شاگرد پروفیسر سوزوکی تاکیشی Prof. SUZUKI Takeshi تھے۔ انھوں نے غزلوں اور افسانوں پر بہت سے مضامین اور مقالہ جات لکھے اور بیسیوں افسانوں کا جاپانی میں ترجمہ بھی کیا تھا۔ ان کے شاگرد پروفیسر کاتاؤکا ہیروجی Prof. KATAOKA Hiroji نے علامہ اقبال پر ''شاعر علامہ اقبال اور بانگِ درا'' کے عنوان سے ایک مضمون ۱۹۷۸ء میں لکھا تھا۔ اس میں کاتاؤکا صاحب نے اقبال کے حالاتِ زندگی کے ساتھ ''بانگِ درا'' کی مختلف نظموں اور غزلوں میں سے ''ہمالہ''، ''طلبہ علی گڑھ کالج کے نام''، ''عبدالقادر کے نام'' ''شکوہ''، ''شمع و شاعر'' جواب شکوہ'' اور ''خضرِ راہ'' جیسی نظموں کی مثال دیتے ہوئے اقبال کے فکری ارتقا پر بحث کی تھی۔

پھر کاگایا صاحب کے شاگرد پروفیسر ماتسومورا تاکامیتسو صاحب Prof. MATSUMURA Takamitsu نے اپنے ایم اے کا مقالہ ''ابتدائی زمانے کے علامہ محمد اقبال کی ہندی وطنیت'' ۱۹۸۲ء میں لکھا اور یہ ۱۹۸۲ء اور ۱۹۸۳ء میں قسطوں کی صورت میں اوساکا یونیورسٹی آف فارن سٹڈیز کے گریجویٹ اسکول کے رسالے میں چھپا تھا۔ اقبالیات میں یورپ سے مراجعت کے بعد کے اقبال کے افکار پر بہت کچھ مقالہ جات لکھے گئے ہیں۔ لیکن ۱۹۰۵ء سے قبل یعنی یورپ جانے سے پہلے کے اقبال کے فکری عناصر پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی تھی حالاں کہ اس ابتدائی زمانے کی رومانویت میں بعد کے زمانے کے مقابلے میں فکری گہرائی کم نظر آتی ہے مگر اس ابتدائی زمانے کو اچھی طرح سے سمجھے بغیر اقبالیات مکمل صورت میں ہمارے سامنے نہیں آ سکتی ہے۔ چنانچہ اس مضمون میں ماتسوموؔرا صاحب نے ''ہمالہ''، ''تصویرِ درد''، ''نیا شوالہ''، ''ترانہء ہندی''، ''عہدِ طفلی''، ''طفلِ شیر خوار''، ''بچہ اور شمع'' یا چند ترجمے یعنی ''ایک مکڑا اور مکھی''، ''ایک پہاڑ اور گلہری''، ''ایک گائے اور بکری''، ''بچے کی دعا''، ''ہمدردی''، ''ماں کا خواب''، ''پرندے کی فریاد'' جیسی نظموں کی مثال دیتے ہوئے ہندی وطنیت کا جائزہ لیا۔ اور ۲۸ مارچ ۱۹۰۹ء کے خط کے حوالے سے ماتسوموؔرا صاحب نے زور دیا کہ اقبال کا رجحان یورپ سے واپس آنے کے بعد مسلم قومیت کی طرف بدل گیا تھا مگر اس ابتدائی زمانے میں بھی وہ ''قومی زندگی'' جیسے مضمون میں مسلم ''قوم'' کی ترقی کا خیال رکھتے تھے یعنی ہندی وطنیت کے شاعر ہوتے ہوئے بھی مسلم کمیونٹی کی ترقی چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے ایک نظم ''وطنیت۔۔۔'' کو بھی مثال کے طور پر پیش کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ علامہ اقبال کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ یورپ سے واپس آنے کے بعد ''دوقومی نظریہ'' کے حامی ہو گئے تھے لیکن ان کا تصورِ قومیت تو صرف دوقومی نظریہ سے سمجھا نہیں جا سکتا اس لیے اس پر مزید بحث کی ضرورت ہے۔ ماتسومورا صاحب نے ۱۹۸۳ء کے مضمون میں اقبال کے تصورِ تصوف پر ''شمع''، ''جگنو'' اور ''دل'' جیسی مثالیں دیتے ہوئے کہا کہ یورپ جانے سے پہلے کے اقبال پر تصوف کے اثرات ضرور تھے

اور یہ علامہ کے گھریلو پس منظر وغیرہ کا اثر بھی ضرور تھا۔ لیکن یورپ سے واپس آنے کے بعد علامہ نے ابن عربی کے تصوف یعنی دنیا سے فنا ہونے پر زور دینے والی فکرِ پر تنقید کی جس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ علامہ اقبال ہندوستان کے مستقبل کو دیکھتے ہوئے اس دنیا سے فنا ہونے کا تصور نہیں کر سکتے تھے بلکہ دنیا کو منفی انداز میں دیکھنے کی جگہ دنیا میں اپنی قوم کو آگے بڑھا دینے پر توجہ دینے لگے تھے۔ آخر میں ماتسومورا صاحب نے یہ کہا کہ اس دنیا میں جہاں مختلف چیزیں موجود ہیں ان کو دیکھنے کی جگہ حقیقی چیز یعنی خدا کو دیکھنے پر زور دینے والے تصوف کا اقبال کی ابتدائی فکر پر بہت اثر ہوا تھا لیکن مختلف لوگوں اور قوموں میں ایک حقیقی چیز کو دیکھنے کا طریقہ ہی ہندی وطنیت کا ایک بنیادی پہلو ہے یعنی تصوف کا اثر بھی ہندی وطنیت میں پایا جاتا ہے۔ ماتسوموؔرا صاحب نے ۱۹۸۴ء میں ''تصویرِ درد''، ''ترانہء ہندی''، ''نیا شوالہ''، ''ترانہء ملی''، وطنیت یعنی وطن بہ حیثیت ایک سیاسی تصور کے''، ''شمع اور شاعر'' اور ''طلوعِ اسلام'' کا جاپانی میں ترجمہ اوساکا یونیورسٹی آف فارن سٹڈیز کے تحقیقی رسالے میں شائع کیا تھا۔ اور اسی سال میں، اسی رسالے کے دوسرے شمارے میں اقبالؔ کے مضمون ''قومی زندگی'' کا جاپانی ترجمہ بھی چھاپ دیا تھا۔ ماتسوموؔرا صاحب نے ۱۹۸۴ء اور ۱۹۸۵ء میں اقبال کے سارے قطعات کا جاپانی ترجمہ اوساکا یونیورسٹی آف فارن سٹڈیز کے گریجویٹ اسکول کے تحقیقی رسالے میں شائع کیا تھا گویا انھوں نے اس زمانے میں پوری توجہ کے ساتھ اقبالیات کے لیے خدمت انجام دی تھی۔ ماتسوموؔرا صاحب علامہ اقبالؔ کے اردو کلام کا مکمل ترجمہ کر چکے ہیں مگر افسوس آج تک کتابی صورت میں ہمارے سامنے نہیں آیا۔ مگر امید کی جاتی ہے کہ یہ ترجمہ جلد از جلد جاپانی لوگوں تک پہنچ جائے۔

علامہ اقبالؔ پر تحقیقی کام کا سلسلہ، اس کے بعد ٹوکیو میں سوزوکی صاحب کے شاگرد ہاتسونو Mr. HATSUNO Masahiko صاحب نے جاری رکھا۔ انھوں نے ۱۹۸۲ء میں ''اقبالیات اور جاپان'' کے عنوان سے خاص طور ''جاپان میں یومِ اقبال'' کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ اور ۱۹۹۵ء میں انہوں نے ''علامہ اقبال کا تصورِ ملت'' نامی

مضمون لکھا تھا۔

راقم الحروف نے ایک مقالہ ''مودودیؔ کا احیائے اسلام'' لکھا تھا جس میں پٹھان کوٹ کے ادارہ ٔ دارالاسلام کے حوالے سے اقبالؔ اور سید ابوالاعلیٰ مودودیؔ کی خط و کتابت کا ذکر کیا تھا۔ اور احیائے اسلام کے دو مختلف پہلوؤں کے بارے میں بحث کی تھی یعنی ایک تو علامہ اقبال کا نظریہ تھا کہ اسلام کی تدوینِ جدید یا اسلام کی تشکیلِ جدید کے لیے اسلام کو نئے زمانے کے تقاضوں کے مطابق دوبارہ سمجھنے کی جدوجہد کی جائے اور اس کے برعکس مودودیؔ کا طریقہ تو یہ تھا کہ اپنے زمانے کو یعنی اس زمانے کے افکار کو اسلام کے تقاضوں کے مطابق دوبارہ سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ خاکسار کا یہ مضمون ۲۰۰۱ء میں اوساکا یونیورسٹی آف فارن سٹڈیز کے ایک رسالے میں چھپ گیا تھا اور اب اضافے کے بعد ''دنیا کے احیائے اسلام کے اہم مفکرین'' نامی کتاب میں شامل ہو کر عنقریب ہی ٹوکیو یونیورسٹی پریس سے شائع ہو جائے گا۔ اسی طرح سے جاپان میں اقبالیات کا سلسلہ آہستہ آہستہ مگر جاری ہی رہا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ایسے سارے کام جاپانی زبان ہی میں ہونے کی وجہ سے باہر کے لوگوں تک نہیں پہنچ سکے۔ اس لیے آج کا یہ موقع بہت نایاب اور مناسب ہے کہ جاپان میں اقبالیات کے بارے میں اس خصوصی نشست میں مفید معلومات مہیا کی جائے۔

آخر میں ''یوم اقبال'' کے موقع پر، جاپان میں منعقد ہونے والے یومِ اقبال کے بارے میں بھی مختصر سا عرض کرنا چاہتا ہوں۔

جیسا کہ ذکر ہوا تھا کہ جاپان میں کبھی کبھی یومِ اقبال بھی منایا جاتا ہے۔ جاپان میں یومِ اقبال کا ذکر سب سے پہلے ۱۹۵۲ء میں نظر آتا ہے۔ اس سال کے مارچ میں ''جاپان پاکستان دوستی ایسوسی ایشن'' ٹوکیو میں قائم ہوئی تو اس ایسوسی ایشن نے یومِ اقبال منانا شروع کیا تھا۔ جشن کے لیے اخبار کمپنی یا کسی یونیورسٹی کا ہال استعمال کیا گیا اور جاپانی محققین یا پاکستانی سفارت خانے کے لوگ اور جاپان میں تعلیم حاصل کرنے والے پاکستانی طلبہ نے شرکت کی تھی۔ ۱۹۵۵ء کے رسالہ ''آریائی ایسوسی ایشن'' میں یومِ اقبال کے

بارے میں خبر چھپی ہے جس میں یوں لکھا گیا ہے کہ ''قیامِ پاکستان کے محسن اور فلسفی شاعر علامہ محمد اقبال کے انتقال کے ۱۷ سال بعد، تہران، لندن، مدرید سپین، سٹاک ہالم جیسے دنیا بھر کے مقامات پر یومِ اقبال منایا گیا۔ اور ٹوکیو میں جاپان پاکستان تہذیبی ایسوسی ایشن کے تعاون سے ٹویو یونیورسٹی Toyo University کے ہال میں دو بجے سے چھ بجے تک یوم اقبال منایا گیا تھا جس میں پاکستانی سفیر بطورِ مہمانِ خصوصی بلایا گیا تھا۔ اور اسی دن اوساکا میں بھی اوساکا کی ''پاکستان بلڈنگ'' کی دوسری منزل پر پہلی بار یومِ اقبال منایا گیا۔ یہ اوساکا میں رہنے والے پاکستانیوں نے منعقد کیا تھا اور سفارت خانہ ٔ پاکستان سے بھی سیکنڈ سیکریٹری آئے تھے۔ اور اس موقع پر کوئی ۱۰۰ جاپانی لوگ بھی حاضر تھے۔ ان میں سے بیشتر اوساکا یونیورسٹی آف فارن سٹڈیز کے اساتذہ و طلبہ تھے۔ لیکن قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ۲۱ اپریل ۱۹۶۰ء کو ٹوکیو کی ٹویو یونیورسٹی نے علامہ کو امریتس ڈاکٹریٹ Emeritus Doctor of Literature کی سند دی تھی۔ مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس یونیورسٹی نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کس مقصد کے پیش نظر دی تھی۔ لیکن مسٹر ہاتسوتونے ''اقبال اور جاپان'' میں لکھتے ہوئے یہ قیاس کیا کہ چونکہ ٹویو یونیورسٹی کے کتب خانے میں جنگ سے پہلے سے ایشیا کی کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ تھا اس لیے اقبالؔ کی طرف بھی توجہ دی گئی ہوگی۔

یومِ اقبال کے موقع پر نمایاں واقعہ ۱۹۶۰ء کے بعد ۱۹۷۶ء میں پیش آتا ہے۔ اس سال اوساکا یونیورسٹی آف فارن سٹڈیز میں جشنِ اقبال منایا گیا اور پروفیسر کاگایا اور چند طلبہ نے ''اقبال کا فلسفہ'' یا ''اقبال اور آج کی ہندوستان کی تاریخ'' جیسی تقریبات کیں اور ان میں علامہ کی تصانیف کی نمائش بھی لگی تھی۔ اس کے ایک سال بعد یعنی ۱۹۷۷ء میں علامہ اقبالؔ کی ولادت کا سو سالہ جشن ٹوکیو اور اوساکا کی یونیورسٹیوں میں منایا گیا۔ اس وقت اوساکا میں پروفیسر کاگایا نے ''اقبالؔ کے فلسفے کا جائزہ'' نامی مضمون اردو میں پڑھا اور اس میں انھوں نے اقبالؔ کے فلسفہ ٔ خودی پر نطشے کے اثرات کے بارے میں بحث کرنے کے ساتھ ساتھ اقبالؔ اور ایک جاپانی فلسفی نیشیدا۔ Prof. NISHIDA Kitaro کا تقابلی جائزہ

لے کر یوں کہا تھا کہ علامہ اقبالؔ نے اپنی شاعری کے ذریعے اپنے اندر کا اظہار کیا تھا مگر اس جاپانی فلسفی نے شاعری کے ذریعے اپنے فلسفے کا بیان کیا تھا۔ اسی موقع پر پروفیسر کا تاؤ کا نے ''شکوہ'' اور ''جوابِ شکوہ'' کا جاپانی ترجمہ ذاتی طور پر چھپوادیا تھا۔ لیکن یہ ترجمہ بازار میں نہیں آیا۔ اس جشن میں پاکستانی سفیر نے بھی شرکت کی تھی۔ اس سال جاپان پاکستان ایسوسی ایشن نے بھی پاکستانی سفارت خانے کے تعاون سے سوسالہ جشن منایا تھا۔

۱۹۸۱ء کے آخر میں یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور سے ڈاکٹر تبسم کاشمیری صاحب اوساکا یونیورسٹی آف فارن سٹڈیز کے شعبہء اردو میں تشریف لائے تو کاگایا صاحب اور ماتسو موراؔ صاحب کے ساتھ مل کر یومِ اقبالؔ کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں تبسم صاحب نے ''اقبال اور تیسری دنیا'' کے عنوان پر ایک مضمون پیش کیا تھا۔ ماتسو موراؔ صاحب نے اقبالؔ پر تعارفی مضمون پڑھا تھا۔ کاگایا صاحب نے ۱۹۸۹ء میں سپین کے شہر قرطبہ میں منعقد ہونے والے اقبالیات کے جلسے میں شرکت کر کے ''علامہ اقبالؔ کے افکار'' کے بارے میں انگریزی میں مضمون پڑھا تھا۔ اس کے بعد اوساکا یونیورسٹی آف فارن سٹڈیز میں دوبارہ یومِ اقبال منایا گیا اور اس وقت ڈاکٹر تبسم کاشمیری صاحب نے ''اقبال کا تہذیبی جغرافیہ'' کے عنوان پر مضمون پڑھا تھا۔ اس وقت پاکستانی سفیر نے بھی شرکت کی تھی۔

جیسا کہ میں نے ابھی جاپان میں اقبالیات کو پس منظر کے ساتھ پیش کیا ہے کہ ایسی کاوشوں کے باوجود علامہ اقبالؔ کا نام جاپان میں اتنے زیادہ لوگوں تک نہیں پہنچ سکا جتنا کہ گاندھی یا ٹیگور کا نام پہنچا۔ مگر کوشش تو جاری ہے۔ حال ہی میں یعنی ۲۰۰۲ء میں جاپان میں تین اہم ؛انسائیکلوپیڈیا تیار ہوگئے ہیں یعنی ''انسائیکلوپیڈیا آف اسلام''، ''انسائیکلوپیڈیا آف ساؤتھ ایشیا'' اور ''انسائیکلوپیڈیا آف عالمِ اسلام''۔ ان تینوں کتابوں میں علامہ کا ذکرِ خیر شامل کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اگر کلامِ اقبالؔ کا جاپانی ترجمہ جلد از جلد چھپ جائے اور اس کے ساتھ ساتھ علامہ پر مضامین بھی لکھے جائیں اور ان کا اردو یا انگریزی میں ترجمہ بھی ہو جائے تو دنیا میں جاپانی علماء کی اقبال شناسی کا تعارف بہتر طور پر کروایا جا سکے گا۔

—x x x—